کہ ہر علاقہ کو چھوڑ کر وادئ نیل کی طرف قدم بڑھائے اور اسی کو اپنا مرکز و مسکن بنائے۔ یہ وادی جہاں اپنی زرخیزی میں پوری دنیائے عرب میں ضرب المثل تھی۔ گویا یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ اس وادی میں اس کو ایسے دل و ذہن ملیں گے جو اپنی زرخیزی اور وسعت میں وادی سے کم نہیں۔ افغانی نسل کا یہ نوجوان جس کی زبان فارسی تھی یا پشتو رہی ہو، وہ ازہر کے سایہ میں بسنے والے شہر قاہرہ کے لیے بلندیٔ فکر کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کا ادیب و خطیب ثابت ہو کر آئے گا۔ یہ شہر جس کی سرپرستی ازہر نے کی ہو انیسویں صدی میں جہالت، بدعت، نفرت اور آپسی کشمکش کا گہوارہ بنا ہوا ہے اور اس کے قدوم میمون سے اچانک مایوسی کی جگہ امنگ و نفرت کی محبت اور جہالت کی جگہ علم نے لینی شروع کی۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کا علاقہ میں آنا ایک معجزہ ثابت ہوا۔ سات سال کا عرصہ اسے اس شہر میں رہنا نصیب ہوا۔ اس مختصر عرصہ میں اس نے وہ کام کر لیا جو لوگ برسوں برسوں میں کرتے ہیں۔ اس نے لوگوں کو صحیح زندگی بسر کرنے کا طریقہ اور غلامی و آزادی کے فرق کو واضح کیا وہیں اس نے لوگوں کو مسلمانوں کے شاندار ماضی سے روشناس کر دیا اور مستقبل میں شریفانہ زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیائے اسلام کے خلاف مغرب کی طرف سے سازشوں کا جو جال بچھایا جا رہا ہے ان سے آگاہ کیا۔ اور ناکارہ حکام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں جذبہ پیدا کیا۔ اس نے جس زبان میں لوگوں سے گفتگو کی وہ اس دور کے لیے بالکل نئی تھی۔ جہاں اس میں فصاحت و بلاغت تھی۔ وہیں اس میں جادو بھی تھا۔ جو اس کی مجلسوں میں شریک ہوتا ان کا عاشق و شیدائی بن جاتا۔ بلکہ اگر کسی کو ایک مرتبہ بھی ان کی مجلس میں شرکت کا موقع ملتا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی شاگردی پر ناز کرتا۔ اس طرح قاہرہ کے ماحول میں نئی سیاسی اور علمی و مذہبی فضا پیدا ہوئی۔ اور سب سے بڑی بات جو وجود میں آئی وہ یہ کہ سات کا عرصہ ایسا لگتا ہے کہ ایک معلّم مستقل جاسوس کے روپ میں بدل گیا اور

جس نے اس جامعہ میں قدم رکھا وہ خطیب، ادیب، مفکر اور عالم ہوگیا۔ چنانچہ اس جامعہ کے تعلیم وتربیت پانے والے ایک شخص جو بعد میں الامام محمد عبدہ کے نام سے دنیائے اسلام میں شمس وقمر کی طرح چمکتے ہوئے نظر آئے۔ سامراجی طاقتیں اس علمی اور سیاسی بیداری کو جو مصر میں ابھر رہی تھی، برداشت نہیں کر پائیں اور جو شمع یہاں جل رہی تھی اس کا جلنا انھیں گوارا نہ تھا۔ چنانچہ سازشوں کے جال اس آنے والے مجاہد اور مفکر کے خلاف بچھائے جانے والے لگے جو پہلے سے شہر بدر تھا۔ اس کو پھر سے اور شہر بدر کردیا لیکن اس کو اطمینان تھا کہ جن افکار کی بنیاد اس نے اس شہر میں ڈالی ہے وہ کبھی ختم نہ ہونگی اور جن لوگوں کو اس نے اپنی آغوش میں لے کر تربیت دی وہ کبھی خاموش نہ ہوں گے اور نہ بجھیں گے۔ چنانچہ جب وہ قاہرہ سے جانے لگے تو انھوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہا کہ مجھے مصر چھوڑنے کا افسوس ہے لیکن مجھے اس بات کا اطمینان ہے جو بیج میں نے یہاں ڈالا ہے وہ عنقریب اُگے گا اور جس چیز کی طرف میں نے تمھیں بلایا ہے تم اس سے پیچھے نہیں ہٹو گے۔ میرا مشن یہاں ختم نہیں ہوگا کیونکہ تمہارے درمیان میں محمد عبدہ کو چھوڑ رہا ہوں جو میری پوری طرح سے جانشینی کریگا۔

افغان کے جن باتوں کی پیشین گوئیاں کی تھیں۔ وہ صحیح ثابت ہوئیں چنانچہ اب ان کے حلقہ کی تمام شاگرد اپنی جگہ علم وفکر کے مرکز بن گئے۔ اور جو پیغام افغانی لے کر مصر آئے تھے اس پیغام کو سب نے اس دھن اور لگن کے ساتھ آگے بڑھایا اور اس قافلے کے سپہ سالار شیخ محمد عبدہ تھے جنھیں لوگوں نے متفق ہوکر الامام کا خطاب دیا۔ افغان کے مصر سے جانے کے بعد ان کے شاگردوں نے عوام میں سیاسی اور مذہبی زندگی پیدا کرنے کی مساعی کو جاری رکھا اور انھیں مساعی کا نتیجہ تھا کہ وہاں کے عوام محمد علی کے خاندان کے خلاف بغاوت کی جس میں جمہوریت، مساوات اور آزادی کا مطالبہ تھا۔ یہ شیخ محمد عبدہ کا ۱۳ ...

عربی تنقید نگاری، تاریخ اصول و مسائل

(جناب محمد سمیع اختر فلاحی ریسرچ اسکالر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

(۴)

نقائض :

اموی دور میں تنقیدی ارتقا کا روشن پہلو نقائض کے اندر دیکھنے کو ملتاہے۔ ہجو گوئی کا فن عربی شاعری کا بہت پرانا فن ہے۔ ہر دور کے شعراء نے اس صنف سخن میں خوب خوب طبع آزمائی کی۔ لیکن ہجو گوئی نے اموی دور میں ایک مخصوص شکل اختیار کر لی جسے "نقائض" کے نام سے یاد کیا جاتاہے۔ نقائض اموی دور کے وہ ہجو یہ قصائد ہیں جو تین بڑے بڑے شعراء جریر، اخطل اور فرزدق کے درمیان شعری وادبی مقابلوں کے نتیجے میں وجود پذیر ہوئے اس کے اندر شاعر اپنے مدمقابل کے خلاف ہر افشانی کرنے، اس کے نسب حسب پر حملہ کرنے، اس کی طرف ذلت آمیز کارناموں کو منسوب کرنے، اپنے قبیلے پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اشعار کے اندر ایسی لطافت، باریکی، جدت طرازی، دلکشی اور رعنائی پیدا کرنے کی کوشش کرتا تاکہ سامعین کے دل ان کی سحرانگیزی سے مسحور ہو جائیں۔ چنانچہ دونوں قصائد کا موضوع

وزن، بحر اور قافیہ ایک ہوتا تھا۔ یہ تینوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں سخت اور چبھتے ہوئے اشعار کہا کرتے تھے۔ نقائض صرف ہجو گوئی نہ تھی بلکہ اس کے اندر اموی عہد کے ثقافتی، تہذیبی اور ادبی زندگی کی روح سمٹ آئی تھی۔ نقائض نے ادبی مناظرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ شاعر اپنے مدمقابل کے اشعار میں زبان و بیان کی خامیاں اور فصاحت و بلاغت کی کمزوریاں نکالنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح کے اشعار سے پوری سوسائٹی لطف اندوز ہوتی۔ خصوصاً جریر اور فرزدق کے درمیان ہونے والے مقابلے کافی مشہور ہوئے۔ بصرہ کا مشہور بازار مربد عام طور پر اس طرح کے شعری مقابلوں کا مرکز تھا۔ لوگ ان کے کلام کو سنتے اور اپنے ادبی ذوق اور صلاحیت کے مطابق فیصلہ کرتے۔

فرزدق نے جریر اور خود اپنے بارے میں بڑی اہم تنقید کی ہے کہ "میں اپنے فسق کی وجہ سے جریر کے اندر جو رقت ہے اس کا محتاج ہوں اور ان کو ان کے عفیف کردار کی وجہ سے میری درشتی کی ضرورت ہے" بلاشبہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرزدق کو اپنی درشتی کا احساس تھا جب کہ غزل میں رقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طرح اخطل نے جریر اور فرزدق کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "جریر سمندر سے پانی لاتا ہے جب کہ فرزدق چٹان توڑتا ہے" اور حقیقت واقعہ ہے کہ جریر کی شاعری میں سلاست و روانی ہے جب کہ فرزدق کے یہاں الفاظ کی شوکت اور مشکل پسندی کا غلبہ ہے۔ جریر سے پوچھا گیا کہ اخطل و فرزدق کیسے شاعر ہیں تو اس نے کہا "میں تو مدینۃ الشعر ہوں، فرزدق فخریہ کلام میں مہارت رکھتا ہے اور اخطل شراب کی بہترین تعریف کرتا ہے" ذوالرمہ کے یہاں پست و بلند دونوں قسم کے اشعار مل جاتے ہیں (۲۹)

عہد عباسی:

عہد عباسی کو اپنی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی ترقیوں کی بنا پر پوری تاریخ اسلام میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ مختلف علوم و فنون کے میدان میں ہونے والی محیرالعقول ایجادات و انکشافات کی بدولت اسے ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ اگر دیکھا جائے تو وہ علمی ادبی سرمایہ جس پر آج امت مسلمہ کو فخر ہے وہ عہد عباسی کے علماء و ادباء کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ یونانی اور دیگر عجمی علوم و فنون کو عربی زبان میں منتقل کرنے سے جہاں سائنس، فلسفہ، منطق، ریاضیات، علم نجوم، تاریخ نویسی کو ترقی ملی، وہیں ادبیات کے میدان میں بھی ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ یونان کے اندر ادبیات اور تنقید کے نظریات سب سے پہلے وجود پزیر ہوئے۔ چنانچہ یونانی ادبیات کے عربی زبان میں منتقل ہونے سے عربی ادب و تنقید کے دائرے میں وسعت آئی۔

تقریباً تمام ہی عباسی خلفاء کو شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ خلیفہ کے دربار میں اکثر شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ خلفاء اشعار کے محاسن و معائب اور قدر و قیمت پر تبصرے کیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہادی کے پاس ایک پرانی تلوار تھی اس نے شعراء کو حکم دیا کہ وہ اس کا وصف بیان کریں ہر ایک نے طبع آزمائی کی اور ابن یامین مصری کے شعر کو سب سے بہتر قرار دیا گیا اور اسے انعام سے نوازا گیا۔ وہیں خلیفہ مہدی غزلیات اور لہو ولعب کو ناپسند کرتا تھا۔ جب کہ اچھے اور سنجیدہ قسم کے اشعار کو پسند کرتا تھا اور عمدہ قصیدوں پر شعراء کو گراں قدر انعامات سے نوازتا تھا۔ ایسی اسی طرح

مامون کے اندر بھی نقد وادب کا اعلیٰ ذوق تھا۔ وہ ابو نواس کو پسند تھا۔ اور مشہور نحوی اصمعی کو بھی اپنے قریب رکھتا تھا۔ مامون کو بھی شاعری سے کافی لگاؤ تھا۔ اس کے اشعار سے سقم وصحت اور حسن کو پہچاننے کی کوشش تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ شاعر اس کے سامنے ایک مصرعہ پڑھتا تو دوسرا مصرعہ وہ اپنی طرف سے جوڑ دیتا تھا۔ ایک شاعر نے اس کی مدح میں ایک پڑھا۔

اضحی امام الہدی المامون مشتغلاً ۔۔۔ بالدین والناس بالدنیا مشاغیل

یعنی مامون نے اپنے آپ کو دینی امور کے لئے خاص کر لیا ہے جب کہ دوسرے لوگ دنیوی امور میں منہمک ہیں۔ مامون نے کہا یہ کیسی مدح ہوئی؟ اس میں میری تعریف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ مجھے ایک بوڑھی عورت سے تشبیہ دیا گیا ہے جس کے ہاتھ میں تسبیح ہے اور وہ ہمہ وقت قبلہ رو ہو کر دانے گنتی ہے۔ اگر میں دینی امور میں اس طرح مشغول ہو جاؤں تو مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی سلطنت کو کون سنبھالے گا! اگر تمہیں تعریف ہی کرنی تھی، تو اس طرح کرتے جیسا کہ جریر نے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق کہا تھا۔

فلا ھو فی الدنیا مضیع نصیبہ ۔۔۔ ولا عرض الدنیا عن الدین شاغلہ

(وہ دنیا میں اپنا نصیب نہیں کھوتے اور نہ ہی دنیوی ذمہ داریاں ان کو فرائض دین کی ادائیگی سے باز رکھتی ہیں)

نقد کی باقاعدہ شروعات:

عربی تنقید نگاری ایک طویل عرصے تک کسی متعین اصول وقاعدہ کے بغیر

چلتی رہی۔ جاہلی اسلامی اور اموی دور تک ہر سخن شناس اور صاحب ذوق کو اس بات کا پورا پورا حق حاصل تھا کہ وہ اپنی ذاتی فہم و شعور کی بنیاد پر ادبی تخلیقات کے سلسلے میں کوئی فیصلہ دے۔ اس وقت کے تنقیدی نظریات میں کوئی ثبات واستحکام نہ تھا۔ ایک ہی ناقد دو الگ الگ موقعوں پر دو مختلف شاعروں کو افضل قرار دیتا تھا۔ یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے آخر میں نحویوں اور لغویوں کی ایک جماعت نقد ادبی کی طرف متوجہ ہوئی۔ انھوں نے ادبی تخلیقات کو پرکھنے کے دوران کے درمیان افضل و کمتر کی تمیز کرنے کے لئے زبان و بیان کے کچھ اصول متعین کئے گئے اور نحو و صرف کے قوانین وضع کئے گئے۔ اس دور کے اہم ناقدوں میں خلیل بن احمد اور اصمعی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خلیل ابن احمد:- ۱۰۰ — ۱۷۰ھ / ۷۱۸ — ۷۸۶م

ابو عبدالرحمن خلیل بن احمد فراہیدی بصرہ میں پیدا ہوا۔ وہیں پرورش و نشوونما ہوئی۔ اپنے دور کے کبار ائمہ سے کسب فیض کیا۔ شروع ہی سے لغوی و نحوی مسائل میں دلچسپی تھی۔ بہت جلد ہی لغت اور نحو کے میدان میں مہارت حاصل کر لی۔ الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں یہ بدوؤں کے درمیان بھی جا کر رہتا تھا کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے شاگرد حسین ابن اسحاق عبادی سے یونانی زبان کا مکمل علم حاصل کیا اور اسحاق نے خلیل سے عربی زبان میں مہارت حاصل کی زندگی کے آخری ایام تک بصرہ کے اندر رہی تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہا۔

زبان و بیان اور نحو و صرف کے میدان میں اس کی مشہور کتاب

کتاب العین ہے جو لغوی و نحوی مسائل کے اور شاید عربی زبان کی پہلی مرتب کتاب ہے۔ دوسری چیز جس نے خلیل کی ذات کو شہرت دوام عطا کیا وہ علم عروض کی ایجاد ہے اس نے پہلی مرتبہ عربی شعر و شاعری کے بحور، قوافی اور اوزان وضع کئے اس نے عربی شاعری کو پانچ دائروں میں تقسیم کیا جس سے پندرہ بحریں وجود میں آئیں۔ خلیل کو نغموں اور سروں کی بھی پوری واقفیت تھی۔ اوزان اور قوافی کے ایجاد سے عربی تنقید کو ایک نیا رخ ملا۔ اب اشعار کے سلسلے میں رائے دیتے وقت ناقد پہلے یہ دیکھنے کی کوشش کی تاکہ کہیں وہ شعر عربی شعر و شاعری کی پندرہ سولہ بحروں سے خارج تو نہیں ہے۔ ہر شعر کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان بحروں اور قافیوں کے اندر

اصمعی :-

۱۲۲ — ۲۱۶ ھ

۷۳۹ — ۸۳۱ م

ابو سعید عبد الملک بن قریب اصمعی بصرہ میں پیدا ہوا۔ دادا اصمع کی طرف نسبت کر کے اصمعی کہا جاتا ہے۔ ابو عمرو بن علا، خلیل، خلف احمر اور دیگر ائمہ سے کسب فیض کیا۔ اکثر مضافاتی علاقوں کی طرف نکل جاتا۔ بدوؤں کے ساتھ زندگی گذارتا۔ اخبار، اشعار اور الفاظ کی تحقیق کے سلسلے میں دور دراز علاقوں ~~کی طرف نکل جاتا~~ ہا نت اور قوت حافظہ میں اپنی مثال آپ تھا ابن ندیم نے اس کی چالیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی اکثر کتابیں ... و بیان کے مسائل اور اشعار کی تحقیق کے بارے میں ہیں۔ اس کی اکثر کت... حوادث زمانہ کے نذر ہو گئیں۔

یہ حقیقت ہے کہ تقریباً اس کی تمام کتابوں میں نقد ادبی کے مسائل موجود ہیں۔ اشعار کی روایت کے ضمن میں اس کا مجموعہ ...

کافی مشہور ہے۔ اس کے اندر اس نے قدیم شعراء کے منتخب کلام کو جمع کیا ہے اور
ساتھ ساتھ درمیان میں پسندیدگی و ناپسندیدگی کے اسباب سے بھی بحث
کیا ہے۔ اسی طرح لغت کے میدان میں بھی اس کی متعدد کتابیں مثلاً
خیل، کتاب الدارات، کتاب اسماء الابل، کتاب النبات و الشجر
وغیرہ مشہور ہیں۔

اس کی تصانیف میں عربی تنقید سے متعلق کچھ اہم مسائل کی طرف
رہنمائی ملتی ہے۔ اصمعی دین اور شاعری کے درمیان تفریق کا قائل تھا
چنانچہ وہ کہتا ہے کہ مجھے لبید ابن ربیعہ کے وہ اشعار جن میں اللہ کا ذکر، اسلام
کی پسندی، اور اسلام کی خیر و برکت کا ذکر ہے بہت زیادہ پسندیدہ ہے،
لیکن اس کے اپنے اشعار چکی میں لگے دانے کے مانند ہیں (۴۲) دوسری جگہ
کہتا ہے "شعر و شاعری جب اسلام کے دائرے میں آئی تو اس کا جوش ماند
پڑ گیا، وہ کمزوری کا شکار ہو گئی۔ مثال کے طور پر حسان بن ثابت جاہلی اور
اسلامی دونوں ہی زمانوں میں بلند شاعر تھے۔ لیکن جب ان کی شاعری میں
دینی موضوعات ــــ رسولؐ کا مرثیہ، حمزہؓ اور جعفرؓ وغیرہ کے مراثی ــــ داخل
ہوئے تو ان کی شاعری کمزور ہو گئی۔ شاعری کا اصل جوہر تو امرؤ القیس، نابغہ
زہیر جیسے فحول الشعراء کی شاعری میں پنہاں ہے۔ اور شاعری کا حلال
سے دکھنڈرات، سواریوں کی وصف نگاری، ہجو گوئی، قصیدہ خوانی
کھول۔ گھوڑوں، گدھوں اور جنگوں کا نقشہ کھینچنے سے باقی رہتا ہے لیکن
شاعر کو دینی موضوعات کا پابند بنا دیا جائے تو اس کے جذبات کی گرمی
جاتی رہتی ہے" (۴۳)

اصمعی کے تنقیدی نظریات کا دوسرا اہم اصول "فحولہ" ہے اس کے نزدیک

"فحولہ" نہایت جامع اصطلاح ہے۔ اسی بنیاد پر اس نے شعراء کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے "فحول" اور "غیر فحول"۔ فحول کے تحت صرف ایسے شعراء ہی آسکتے تھے جن کے اندر شاعرانہ صفت دوسرے تمام صفات پر غالب ہو۔ وہ حاتم طائی کو فحول شعراء میں شمار نہیں کرتا کیونکہ اس کے اندر جود وسخا کی صفت شاعری پر غالب ہے وہ زید الخیل اور عنترہ کو بھی "فحول" نہیں سمجھتا کیونکہ یہ دونوں شاعری سے زیادہ شہسواری کے ماہر تھے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ کسی ایک موضوع پر شاعر کے پانچ، چھ، یا دس قصائد ہوں، کسی ایک قصیدے کی بنیاد پر خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ وارفع کیوں نہ ہو شاعر کو فحول شعراء کی صف میں شامل نہیں کرسکتا۔ (۴۴) اسی طرح ابن رشیق نے بھی "فحل" کی تعریف کے ضمن میں اصمعی کا قول نقل کیا ہے "کوئی شاعر شاعری کے میدان میں اس وقت تک فحل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ عربی اشعار کا راوی نہ ہو، عربی اخبار وایام کا علم نہ ہو، الفاظ، معانی اور ان کے مواقع استعمال پر گرفت نہ ہو، اور سب سے بنیادی چیز یہ کہ وہ علم العروض کا ماہر ہوتا کہ اشعار کے اوزان کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہ کرے، نحو وصرف پر گہری نظر ہوتا کہ اس کا کلام زبان وادب کی کمزوریوں سے پاک ہو، انساب، مشہور تاریخی واقعات اور جنگوں کا علم ہوتا کہ کسی کی مدح یا ہجو کرتے وقت محاسن ومعائب کی تلاش میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو" (۴۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "فحولہ" اصمعی کے نزدیک بہت جامع اصطلاح تھی جو شعر وشاعری کی تمام محاسن وخوبیوں کو محیط تھا۔ اس نے تشبیہات کے استعمال میں جدت ندرت اور باریکی کا ثبوت دیا۔ وہ انوکھی تشبیہوں کو پسند کرتا تھا۔ اسی دور میں ابو نواس، ابو العتاہیہ، ابو تمام، عباس بن احنف وغیرہ نے اپنا

ادبی تخلیقات اور باہمی مقابلوں کے ذریعہ ادبی نقد کی خدمت کی۔ آگے چل کر انشاء پردازوں اور مصنفین کا طبقہ بھی وجود میں آیا۔ شعر و سخن کے درمیان تفریق کی گئی۔ ادبی تخلیقات کے اغراض و مقاصد سے بحث کی گئی کہ آیا انسانی زندگی سے ان کا کوئی رشتہ ہے یا نہیں ؟

اسی دوران معتزلی فکر اور یونانی علوم و فنون کا زور ہوا۔ چونکہ معتزلی فکر خالص عقلی بنیادوں پر قائم تھا لہٰذا معتزلی فکر سے تعلق رکھنے والے ادباء اور نقادوں نے ادبیات کے اندر عقلی و فکری عنصر کو داخل کرنے پر زیادہ زور دیا۔ اسی طرح اشعار کے راویوں نے بھی ادبی نقد کی خدمت میں اہم رول ادا کیا۔ ہر راوی نے اپنے انفرادی ذوق اور ذاتی رجحانات کے مطابق کسی خاص پہلو کو مدنظر رکھ کر ہی روایت کی۔ ایسے راوی جن پر نحو و صرف کا غلبہ ہوتا وہ اشعار کو نحوی و صرفی قوانین کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح ایسے راوی جن تعقل پسندی کا غلبہ ہوتا وہ اشعار کو فنی محاسن کے بجائے عقلی و فکری پیمانوں پر جانچنے کی کوشش کرتے۔ کچھ ایسے رواۃ بھی تھے جو اشعار کے اندر جدت و ندرت تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ مختلف مزاج کے رواۃ اپنے خیال کے مطابق اشعار کو پسند کرتے اور دوسروں پر ترجیح دیتے۔ جبکہ راویوں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو ان مخصوص پابندیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اشعار کو من حیث الکل دیکھنے کی کوشش کرتا۔ ان رواۃ کی بدولت عربی تنقید کو کافی ترقی ملی۔

تیسری صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے نقد ادبی سے متعلق منتشر افکار ما ونظریات بہت حد تک ترتیب وتدوین اور تصنیف وتالیف ۔ حدود میں داخل ہونے لگے۔ معتزلی افکار کی تبلیغ واشاعت نے عربی تنقید پر گہرے اثرات چھوڑے شعر کی کوئی متعین تعریف اور موضوعات شاعری کی تحدید کی گئی ۔ افکار ومعانی کے صحت پر زور دیا گیا ۔ معتزلی ادبار وشعرار نے فصاحت وبلاغت اور صنائع وبدائع سے متعلق موضوعات کو بھی نقد میں شامل کیا۔ ادبی تخلیقات پر غور وفکر کرتے ہوئے اصل تخلیق نگار کی تلاش شروع ہوئی جس کے نتیجے میں "سرقہ" وانتحال کا مسئلہ سامنے آیا جس کی طرف نقاد کا ایک طبقہ متوجہ ہوا اور سرقات کی مختلف قسموں پر گراں قدر تصنیفات چھوڑیں۔ ان کتابوں میں ابن سکیت (م ۲۴۳ھ) کی "کتاب سرقات الشعرار وما اتفقوا علیہ" زبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ) کی "کتاب اغارة کثیر علی الشعر" احمد بن ابو طاہر طیفور (م ۲۸۰ھ) کی "کتاب سرقات البحتری من ابی تمام" اور "کتاب سرقات الشعرار" وغیرہ کافی مشہور ہیں[41] اسی صدی میں آگے چل کر قدیم وجدید کی جنگ شروع ہوئی۔ کچھ شعرار اور نقاد ایسے تھے جو فکر وفن دونوں ہی میدان میں تجدد کے زبردست حامی تھے اور قدیم طرز کی شعروشاعری کے سخت مخالف تھے دوسری ایک ایسی جماعت بھی تھی جو جدت پسندی کی سخت مخالف اور قدیم طرز شاعری کی پرستار تھی ۔ چنانچہ دونوں ہی طبقہ سے تعلق رکھنے والے ناقدوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق پسندیدہ اشعار وخطبات کے مجموعے مرتب کئے جو بنیادی طور پر تنقید کی کتابیں تو نہیں ہیں مگر ضمنی طور پر ان کے اندر تنقید سے متعلق مسائل بھی موجود تھے ۔ ابوعبداللہ ہارون بن علی نے کتاب

لبارع " اور "کتاب اختیار الشعراء الکبیر" جیسے وہ مجموعات ترتیب دئے جن کے اندر اس نے بشار، ابوالعتاہیہ اور ابونواس جیسے مجدد پسند شعراء کے منتخب اشعار کو جمع کیا۔ اس نے اشعار کے اندر موجود فنی محاسن اور فکری بلندیوں کو بھی واضح کیا۔ لیکن ان مجموعات سے ادبی تنقید پھر بھی متعین شکل میں ہمارے سامنے نہ آسکی۔ یہاں تک کہ محمد بن سلام الجمحی نے طبقات الشعراء لکھ کر پہلی مرتبہ نقد ادبی کو مرتب و مدون شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

متوفی ۲۳۲ھ
۸۴۳م

ابو عبداللہ محمد ابن سلام الجمحی بصرہ میں پیدا ہوا اور یہیں نشو ونما ہوئی قبیلہ قریش کی شاخ جمح سے تعلق تھا۔ اس نے خلیل، حماد بن سلمہ اور دوسرے مشہور زمانہ لغویوں سے استفادہ کیا۔ واثق کے عہد میں اس کی وفات ہوئی۔
ابن ندیم نے ان کی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اب اس دنیا سے مفقود ہیں۔ بہر حال تنقید کے میدان میں پہلی مرتب و مدون کتاب "طبقات الشعراء" ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں مصنف نے نقد شعر سے متعلق اہم خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ناقد کے فرائض و ذمہ داریوں کی نشاندہی کی ہے نیز ایک ناقد کے لئے ضروری شرطوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس نے علماء بصرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نحو کی ابتدا اور اس میدان میں ان کی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ شعر و شاعری اور اشعار کے راویوں سے بحث کرتے ہوئے انتحال پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اس نے پوری مہارت و دیانت کے ساتھ اس نکتے کو دلنشین کیا ہے کہ وہ اشعار جو جاہلی و اسلامی شعرا کی طرف منسوب ہیں تمام کے تمام درست